قیام امام حسینؑ سے متعلق
چند سوالات اور ان کے جوابات

نعمت اللہ صفری فروشانی

کربلا کے ریگستان میں دین مبین اسلام کی بقا کی خاطر حسینؑ مظلوم نے اپنے اعزہ واقربا اور اصحاب واحباب کے ہمراہ ایسے مظالم کا سامنا کیا جس کی مثال تاریخ بشریت میں نہیں ملتی۔ ان کی درد ناک شہادت کو تقریباً چودہ سو سال گزر چکے لیکن اسلام دشمن طاقتوں کے زر خرید غلام واقعہ کربلا کے سلسلے میں آج بھی اکثر ایسے سوالات کرتے رہتے ہیں جن کے ذریعہ وہ اس ہمیشہ باقی رہنے والی تحریک کو کمزور بنا سکیں۔ ذیل میں ایسے کچھ سوالات اور ان کے جوابات حاضر خدمت ہیں۔ (ادارہ)

حاکم شام کے زمانے میں قیام نہ کرنا

سوال: ۱۔امام حسینؑ نے حاکم شام کے زمانے میں ہی کیوں یہ اقدام نہیں کیا؟

امام حسینؑ کو (۴۹۔۶۰ھ) گیارہ سال کی مدت امامت میں حکومت شام کی طرف سے متعدد مسائل کا سامنا رہا جن میں سے اکثر کو امام حسینؑ کے خطوط میں دیکھا جاسکتا ہے۔ امام حسینؑ نے اپنی تحریروں میں حاکم شام کی بعض زیادتیوں کا ذکر فرمایا ہے جس میں حجر بن عدی اور عمرو بن حمق جیسے بزرگ محبان علیؑ کا قتل شامل ہے تاہم آپ نے حاکم شام کی حکومت کو مسلمانوں کے لئے بہت بڑا فتنہ قرار دیا ہے[۱]، جس کے مدنظر حکومت کے قانونی جواز پر سوال پیدا ہوتا ہے۔ امام حسینؑ نے حاکم شام کے مظالم کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کو بہترین عمل اور اس کے ترک کو موجب استغفار جانا ہے[۲]۔

سوال یہ ہے کہ خود امام حسینؑ نے کیوں حاکم شام کے خلاف تحریک کا آغاز نہیں کیا؟ اس کی بعض علتوں کو امامؑ کی تحریروں میں دیکھا جاسکتا ہے۔اس کی مزید علتوں کو جاننے کے لئے تاریخ کا تجزیہ ناگزیر ہے:

۱۔ صلح نامہ

امام حسینؑ نے حاکم شام کو لکھے گئے ایک خط میں خود کو اس صلح نامہ کا پابند بتایا ہے اور خود کو پیمان شکنی کے اتہام اور الزام سے [redacted] رکھنے کی کوشش کی ہے ۳۔

اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حاکم شام نے کوفہ میں قدم رکھتے ہی ، جبکہ ابھی صلح نامہ کی تحریر خشک بھی نہیں ہوئی تھی اسے یکسر نظر انداز کر دیا اور خود کو اس سے متعلق ہر قسم کی جوابدہی سے الگ کرلیا؟ ۴۔ ایسے میں امام حسینؑ کس طرح خود کو اسی صلح نامہ کا پابند قرار دے رہے ہیں جب کہ وہ فریق مقابل کی طرف سے اوائل میں ہی غیر معتبر قرار دیا جاچکا ہے!

اس سوال کے جواب کو الگ الگ زاویوں سے سمجھنے کی ضرورت ہے:

۱۔ اگر حاکم شام کی تحریر کو دیکھا جائے تو منقولہ عبارت سے صلح نامہ سے متعلق اس کی عہد شکنی صاف طور پر سمجھ میں نہیں آتی بلکہ اس میں عبارت اس طرح ہے: ''**انی کنت منیت الحسن اشیاء و اعطیته اشیاء**'' میں نے حسنؑ سے کچھ چیزوں کا وعدہ کیا ہے ؛ممکن ہے جن امور کے وعدہ کا ذکر کیا جارہا ہے وہ صلح نامہ کے مواد سے خارج ہوں اور حاکم شام خود کو اس کا پابند نہ قرار دیتا ہو چنانچہ وہ خود کو صلح شکن نہیں گردانتا یا کم از کم خود کے عہد ناشکن ہونے کے دلائل پیش کرسکتا ہے۔

۲۔ پوری عالم بشریت کو امام حسینؑ اور حاکم شام کے مابین بنیادی فرق کو ماننا پڑیگا جیسا کہ حضرت علیؑ اور حاکم شام کی سیاسی شخصیت کے مابین بعد المشرقین دیکھا گیا ہے۔

بنیادی طور پر حاکم شام ایسے سیاسی افراد میں سے تھا جو اپنے مقصد کے حصول کے لئے کسی بھی سیاہ وسفید کو انجام دینے سے دریغ نہیں کرتا تھا اس کی بیشتر مثالوں کو اس زمانے کے کوائف میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے بالخصوص اس وقت جب وہ حضرت علیؑ کے مقابل کھڑا ہوا۔ قتل عثمان سے لیکر تحریک طلحہ وزبیر تک، نیزہ پر قرآن بلند کرانے سے لیکر حضرت علیؑ کے زیر اثر شہروں میں شب خون مارنے تک اور اس جیسی متعدد مثالیں ہیں جو اس کی دسیسہ کاریوں کے بعض پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہیں۔ لیکن دوسری طرف امام حسینؑ الٰہی اقدار اور اصولی ضابطوں سے آراستہ شخصیت کے مالک تھے جو ظاہری کامیابی کے لئے ہر اقدام کو درست نہیں گردانتے ، جیسا کہ حضرت علیؑ نے فرمایا تھا ''**ولن اطلب النصر بالجور**'' میں ظلم کے سہارے کامیابی نہیں حاصل کرسکتا۔ ۵۔ یہ اس گھرانہ کی اصول

نوازیوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ چنانچہ یہ بات واضح طور پر کہی جاسکتی ہے کہ امام حسینؑ نے اپنے بھائی سے کئے گئے عہد کو حاکم شام کی پیمان شکنیوں کے باوجود بھی نہیں توڑا۔

۳۔ زمانے کے حالات کو نظر میں رکھتے ہوئے صلح نامہ کے تئیں امامؑ کے نقطہ نظر کے نتائج پر غور کرنا چاہئے۔ حاکم شام اس وقت پورے اسلامی معاشرہ کا سربراہ تھا۔ اس کا دائرہ اثر جملہ اسلامی مملکتوں یعنی شام سے لیکر عراق ،حجاز سے لیکر یمن پر محیط تھا یہاں تک کہ مذکورہ تمام علاقوں میں اس کے کارندے اس کی حکومت کا شدت سے دفاع کررہے تھے۔

امام علیؑ کے مد مقابل رہتے ہوئے وہ عثمان تک اپنی امداد رسانی کی کوتاہیوں کو بھی چھپانے میں کامیاب رہا جو بعد میں ان کے قتل پر تمام ہوئی۔ یہی نہیں بلکہ اس نے شامیوں کو خون عثمان کا اکیلا منتقم قرار دیا تو ظاہر سی بات ہے اس زمانے میں جب کوئی اس کے مد مقابل نہیں اور وہ کسی سے نبرد آزما بھی نہیں ہے تو اس الزام کو عام کرنا کتنا آسان ہوگا کہ امام حسینؑ نے صلح نامہ پر پابند نہ رہتے ہوئے عہد شکنی کی ہے اور اس طرح پورا اسلامی معاشرہ اور ممالک کے افکار کو امام حسینؑ کے خلاف ، منحرف کیا جاسکتا تھا۔ ایسے میں صرف وہ آواز جو لوگوں کے کانوں تک نہ پہونچتی وہ امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کی چیخ وپکار تھی۔

۲۔ حاکم شام کی حقیقی کیفیت

حاکم شام کی شخصیت اس زمانہ کے لوگوں بالخصوص شامیوں کے نزدیک ایک رخ سے قدرے مثبت شبیہ کی حامل تھی جو اس کے خلاف کسی بھی نہضت وتحریک کو دشوار تر بنائے دے رہا تھا۔ کیونکہ لوگ اس کو صحابی رسولؐ ، کاتب وحی ، زوجۂ رسولؐ کے بھائی کے طور پر دیکھتے تھے اور ان کی رو سے حاکم شام نے دمشق اور اس کے قرب وجوار میں اسلام کی ترویج واشاعت میں غیر معمولی کردار ادا کیا تھا۔

علاوہ ازیں، اس کا حکومتی تجربہ اور حسنین علیہما السلام سے سن میں زیادہ ہونا دو ایسے اسباب تھے (جس کا تذکرہ خود امام حسنؑ نے اپنے خطوط میں کیا ہے۶) جو امام حسینؑ کے مقابل، عوام الناس کو صاف اور واضح طور پر دکھائی دے رہے تھے۔

۳۔ حاکم شام کی سیاست

صلح کے عہدو پیمان کے بعد اگرچہ حاکم شام زیادہ تر اس فکر میں لگا رہتا تھا کہ بنی ہاشم

بالخصوص خاندان علوی کو کوئی نہ کوئی گزند پہنچائی جائے چنانچہ امام حسنؑ کو زہر دیا جانا اسی سلسلہ کا حصہ تھا۔ ۷۔ البتہ وہ یہی ظاہر کرتا تھا کہ اس خانوادہ بالخصوص امام حسینؑ کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہتا ہے اور ان کا پاس ولحاظ رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں حاکم شام کی طرف سے بھیجے گئے ماہانہ وسالانہ ھدیوں کو دیکھا جاسکتا ہے جو وہ امام حسینؑ اور عبد اللہ ابن جعفر کے لئے بھیجتا تھا ۔ چونکہ اہل بیت رسولؐ خود کو بیت المال کے لئے سزاوار تر اور اس کے مصارف کو بہتر انداز میں جانتے تھے لہٰذا اسے قبول بھی کر لیتے تھے ۔۸۔

حاکم شام کا ظاہری برتاؤ اس کی موت کے وقت بھی دکھائی پڑتا ہے۔ جب اس نے اپنے بیٹے یزید سے امام حسینؑ کی طرف سے کئے جانے والے ممکنہ اقدامات کے لئے کہا کہ اگر وہ ایسا کریں تو تم انہیں قتل نہ کرنا۔۹۔

اس سیاست عملی کو اختیار کرنے کی وجہ روشن تھی۔ حاکم شام امام حسنؑ سے صلح کر کے ظاہری طور پر اپنی حکومت کو شرعی حیثیت دینے میں کامیاب رہا اور اس نے لوگوں میں خود کو قانونی طور پر ایک خلیفہ کے عنوان سے پہچنوایا چنانچہ اس وقت اس نے اپنے دامن کو خون امامؑ سے داغدار ہونے سے بچالیا تا کہ اسلامی معاشرہ میں خود کو منفور ہونے سے محفوظ رکھے۔ یہی نہیں بلکہ اس نے اس کے برعکس خود کو اس خاندان سے زیادہ سے زیادہ نزدیک ظاہر کرنے کی کوشش کی تا کہ عوام میں اپنے چہرہ کو مزید مثبت انداز میں پیش کر سکے۔ اس سے قطع نظر کہ وہ اپنی اس سیاست عملی کے ذریعہ بزعم خود کسی بھی ممکنہ تحریک کو بے اثر کر دینا چاہتا تھا، امام حسنؑ وامام حسینؑ کو دئے گئے ہدیوں پر ناز کرتے ہوئے انہیں اپنا قرضدار سمجھتا تھا جیسا کہ ایک جگہ اس نے خود کو کہا ہے:'' یہ مال لے لیجئے اور جان لیں کہ میں ہند کا بیٹا ہوں، خدا کی قسم نہ اس سے قبل یہ مال کسی نے کسی کو دیا تھا اور نہ ہی اس کے بعد کوئی کسی کو دے گا''۔

امام حسینؑ نے یہ بتاتے ہوئے کہ حاکم شام کی یہ عطاوبخشش موجب امتنان نہیں ہوسکتی فرمایا: ''خدا کی قسم نہ تم سے پہلے اور نہ تمہارے بعد کسی نے دوایسے افراد کو کچھ دیا ہوگا جو ہم دونوں سے زیادہ بافضل وشرف رہا ہو''۔۱۰۔

علاوہ ازیں ، حاکم شام جانتا تھا کہ جارحانہ روش اختیار کرنے سے خود اسی کا نقصان ہوگا اور لوگوں کی توجہ اس خانوادہ کی طرف زیادہ ہوجائے گی اور پھر لوگ اس کی حکومت سے متنفر

ہوجائیں گے اور جوق در جوق اس خانوادہ کے ارد گرد جمع ہونے لگیں گے۔ گوکہ حاکم شام کو امام حسینؑ کی طرف سے اس زمانے کے حالات کے پیش نظر کوئی سنگین خطرہ لاحق نہیں تھا چنانچہ وہ اس فکر میں تھا کہ ممکنہ خطرہ ہمیشہ کے لئے بے اثر کر دیا جائے پھر بھی امام حسینؑ ہر موقع پر حکومت شام کی عیاریوں کو بے نقاب کر رہے تھے۔ اس کی ایک واضح مثال امام حسینؑ کا حاکم شام کو خط لکھنا اور اس میں اسے اسکی ظلم و زیادتیوں ۱۱ سے باخبر کرنا ہے نیز یزید کی ولیعہدی کے مسئلہ پر سوال اٹھانا ہے۔ ۱۲ حالانکہ امامؑ یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ اس وقت حاکم شام کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی صورت میں بالخصوص حاکم شام کی اس وقت کی سیاست کے پیش نظر، عوام فوری طور پر ان کی حمایت نہیں کریں گے اور حکومتی پروپگنڈہ مشینری حالات کا رخ، حاکم کے حق میں موڑ لے گی۔

۴۔ اقتضائے حال

باوجود اس کے کہ امام حسنؑ کی شہادت کے فوراً بعد کوفیوں نے امام حسینؑ کو خط لکھا اور اس میں اظہار تعزیت کے ساتھ ساتھ خود کو آپ کے حکم کا منتظر قرار دیا۔ ۱۳ لیکن امام خوب جانتے تھے کہ شامی حکومت کی مرکزیت اور استحکام کی ظاہری مثبت شبیہ کسی بھی قیام کے نتیجہ کو فوری طور پر ثمر آور نہیں ہونے دے گی اور سوائے چند افراد کے قتل اور خود کے شہید ہونے نیز ایسی حکومت کے خلاف جو بظاہر اسلامی ہے باغی کہلانے کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ جبکہ حکومت یزید کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوتے وقت، صورت حال بالکل مختلف تھی۔

مدینہ سے ہی تحریک کی شروعات نہ کرنے کے اسباب

سوال ۲: امام حسینؑ نے مدینہ ہی میں کیوں اپنی تحریک کا اعلان نہیں کیا؟

اس سوال کا جواب، حالات اور جگہ کے دقیق مطالعہ میں مضمر ہے۔ حالات کے اعتبار سے ابھی مدینہ میں امیر شام کی موت کا عمومی اعلان نہیں ہوا تھا اور عوام الناس کو ابھی بھی امیر شام اور اس کے بیٹے کی حکومت کے مابین فاصلہ زمانی کا علم نہیں تھا چنانچہ باوجود اس کے کہ یزید کا چہرہ امام حسینؑ، عبد اللہ ابن زبیر، عبد اللہ ابن عمر، عبد الرحمن ابن ابی بکر وغیرہ کے لئے ایک شراب خور اور کتوں و بندروں سے کھیلنے والے کی حیثیت سے آشکارا تھا ۱۴۔ لیکن اکثر عوام الناس حاکم شام کی کوششوں اور اس کے پروپگنڈہ نیز لالچ اور خوف کی بنا پر حاکم شام کے ہی زمانے میں اس کے بیٹے

کے ہاتھوں پر بیعت کر چکے تھے ۱۵۔

جگہ کے لحاظ سے ، مدینہ ، سرکار سید الشہدا کے لئے مناسب مقام نہیں تھا کیونکہ :

۱۔ باوجود اس کے کہ مذہب کے اکثر لوگ بالخصوص انصار، اہل بیت رسولؐ کے دلدادہ تھے مگر ان کی محبتیں اس حد تک نہیں تھیں کہ وہ اپنی جان کو اہل بیتؑ پر قربان کر دیتے جیسا کہ واقعہ سقیفہ کے دوران دیکھا جاسکتا ہے۔دلچسپ بات یہ ہے کہ جب حضرت علیؑ نے بیعت توڑ دینے والوں کے خلاف مقابلہ کے لئے اہل مدینہ سے مدد طلب کی تو ان میں سے اکثر نے جواب ہی نہیں دیا اور حضرت علیؑ کو چار سو ۱۶۔ یا بروایت دیگر سات سو ۱۷۔ افراد کے ساتھ ان کے مقابلہ پر جانا پڑا۔

۲۔ مدینہ والے رحلت پیغمبرؐ کے بعد خود کو حکومت کا تابع گردانتے تھے اور سیرت شیخین کی پیروی کو لیکر بہت حساس تھے چنانچہ عبد الرحمن بن عوف نے جو اس گروہ کے نمائندے تھے شوریٰ کے سامنے حضرت علیؑ کو حکومت سونپنے کے لئے سیرت شیخین کے اتباع کو بنیادی شرط کے طور پر پیش کیا تھا جسے حضرت علیؑ نے قبول نہیں کیا۔۱۸۔ حضرت علیؑ تک خلافت کو پہنچنے میں بھی اہالی مدینہ کا کلیدی رول نہیں تھا بلکہ اسلامی مملکت کے مختلف شہروں میں ساکن مہاجرین نے اس میں اہم کردار نبھایا تھا۔

۳۔ قبیلہ قریش کے خاصے لوگ بالخصوص اموی ذہنیت رکھنے والے مروان جیسے افراد اس زمانہ میں ہی مدینہ میں صاحب اثر لوگوں میں شمار ہوتے تھے اور یہ فطری تھا کہ وہ امام کی کسی بھی تحریک کی فی الفور مخالفت کرتے۔

۴۔ مدینہ کی آبادی اس زمانہ میں اتنی نہیں تھی کہ کسی تحریک کی تشکیل میں بہت زیادہ ان پر تکیہ کیا جاسکتا بالخصوص کوفہ، بصرہ وشام جیسے دوسرے بڑے شہروں کے مقابل اس کی آبادی بہت کم تھی۔

۵۔ تاریخ گواہ ہے کہ مدینہ کبھی بھی کسی بھی دور کی مرکزی حکومت کے خلاف آواز اٹھانے کے لئے مناسب مقام نہیں رہا ہے۔جیسا کہ ۶۳ھ میں اہل مدینہ نے یزید کی حکومت کے خلاف (واقعہ حرہ) قیام کیا جو ان کی شکست پر تمام ہوا۔ ۱۹۔ اسی طرح محمد ابن عبد اللہ کا قیام جو نفس زکیہ کے نام سے معروف تھے، انہوں نے ۱۴۵ھ میں قیام کیا۔۲۰۔ ۱۶۹ھ میں حسین بن علی موسوم بہ شہید فخ کا قیام جس میں اہل مدینہ نے ذرا ساتھ دیا مگر وہ بھی شکست پر تمام ہوا۔۲۱۔

۶۔ اموی دور میں اہل مدینہ کے سوابق اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ وہ اموی حکومت کے مقابل خاندان اہل بیتؑ کا دفاع کرنے کے لئے بہت سنجیدہ نہیں تھے کیونکہ برسوں سے چل رہے

حاکم شام کے ذریعہ حضرت علیؑ پر سب وشتم کے سلسلے اوراموی حاکموں کے ذریعہ منبروں سے مغلطات کے کذب محض کوجاننے کے باوجود ایسا بہت کم دیکھا گیا کہ اہل مدینہ نے کبھی کوئی سنجیدہ اعتراض درج کرایا ہو، اس زمانہ میں بھی خود خاندان رسالتؐ آپ ہی اس کے مقابل پیش پیش تھا اس سلسلے میں امام حسینؑ کی کوششیں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں جن کی مدد کرنے کوئی نہ اٹھا ہے۔ ۲۲۔

۷۔ اموی حاکم ولید بن عتبہ، شہرکو پوری طرح اپنے کنٹرول میں لئے تھا اور ایسا نہیں تھا کہ بآسانی کسی بھی تحریک کے نتیجہ میں زمام حکومت اس کے ہاتھ سے نکل جاتی اورکوئی دوسرا ہتھیا لیتا۔

مکہ کی طرف ہجرت

سوال ۳: امام حسینؑ اپنے آغاز سفر میں مدینہ سے مکہ کی طرف کیوں تشریف لے گئے؟

امام حسینؑ کا مدینہ سے نکلنے کا سبب یہ تھا کہ یزید نے ولید ابن عتبہ کو لکھے اپنے خط میں اس بات پر تاکید کی تھی کہ چند لوگوں سے جن میں امام حسینؑ بھی شامل ہیں ضرور بیعت لی جائے اور بغیر اس کے جانے نہ دیا جائے۔ ۲۳۔

ولید اپنی امن پسند روش کو اپنائے ہوئے خود کو خون امام حسینؑ سے[redacted]ط رکھنا چاہتا تھا۔ ۲۴۔ لیکن مدینہ میں اموی عناصر بالخصوص مروان بن حکم جیسے افراد بھی موجود تھے جنہیں ولید اپنا مشیر خاص سمجھتا تھا۔ ان جیسے افراد کی خواہش یہ تھی کہ امام حسینؑ کا خون بہتا ہے تو بہہ جائے مگر ان سے بیعت ضرور لی جائے چنانچہ حاکم کا خط ملتے ہی جب ولید نے مروان سے مشورہ کیا تو مروان نے کہا: میرے لحاظ سے ابھی فوراً اس پر عمل درآمد ہونا چاہئے اور ابھی نمائندوں کو بھیج کے ان چند لوگوں سے بیعت لے لینا چاہئے اوراگر مخالفت کریں تو اس سے پہلے کہ حاکم شام کی موت کی خبر سے مطلع ہوں ان کا سرتن سے جدا کردے، کیونکہ اگر انہیں معاویہ کی موت کی خبر معلوم ہوگئی تو ان میں کا ہر ایک مخالفت پر آمادہ ہوجائے گا اور لوگوں کو بھی اپنی طرف بلانے لگے گا۔ ۲۵۔

چنانچہ امام حسینؑ نے مدینہ کی فضا کو مخالفت اور تحریک کے لئے سازگار نہ جانتے ہوئے اپنی جان کو خطرہ میں نہیں ڈالا اور اسے ترک کرنے کا عزم کرلیا تاہم مدینہ چھوڑتے وقت جس آیت کی تلاوت فرمائی اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ نے اس شہر کو غی[redacted]ط جان کر چھوڑ دیا۔

ابومخنف کے مطابق امام حسینؑ نے ۲۷/یا ۲۸ رجب کی شب اپنے خاندان کے کچھ لوگوں کے

ہمراہ اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے مدینہ چھوڑا جو جناب موسیٰ نے مصر چھوڑتے وقت کی تھی:۲۶۔

فخرج منها خائفا یترقب قال رب نجنی من القوم الظالمین۔۲۷۔

موسیٰ شہر سے خارج ہوئے اس حال میں کہ وہ خوفزدہ تھے اور انہیں ہر آن کسی حادثہ کا اندیشہ تھا، عرض کی پروردگارا مجھے ظالم قوم سے نجات دے۔

آپؑ نے مکہ کا انتخاب اس وقت کیا جب کہ ابھی مختلف شہر کے لوگ مرگ معاویہ سے بے خبر تھے اور لوگ ابھی باقاعدہ یزید کی مخالفت میں سامنے نہیں آئے تھے۔ ابھی امام حسینؑ کو کوفہ اور دیگر شہروں کی طرف سے دعوت نامے نہیں موصول ہوئے تھے چنانچہ امامؑ کو ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں آپ آزادانہ طور پر اپنے نظریات کو بیان کرسکیں ، دوسرے یہ کہ آپ ایسی جگہ کی تلاش میں تھے جہاں سے آپ اپنے نظریات کو پوری اسلامی مملکت تک پہنچا سکیں اور بہرحال شہر مکہ میں یہ دونوں خوبیاں پائی جاتی تھیں کیونکہ آیۂ قرآنی کی رو سے ''**ومن دخله کان امنا**'' ۲۸۔ ہے مکہ، حرم امن الٰہی تھا اور اس کے علاوہ پوری دنیائے اسلام کی آماجگاہ ہے۔ امام حسینؑ دنیائے اسلام کے مختلف گروہوں سے ملاقات کرکے اموی نظام کے تئیں اپنے اعتراض کو دوسروں تک پہنچا سکتے تھے،یعنی اسلامی تعلیمات سے آشکار کراسکتے تھے علاوہ ازیں، اہل کوفہ واہل بصرہ ۲۹۔ سے بھی یہاں پر رابطہ کرنا آسان تھا۔

امام حسینؑ ، شب جمعہ، ۳/شعبان ۶۰ھ کو وارد مکہ ہوئے اور ۸/ ذی الحجہ تک اسی شہر میں مصروف تھے۔ ۳۰۔

مکہ سے روانگی

سوال ۴۔ امام حسینؑ نے اپنے حج کو نامکمل چھوڑتے ہوئے اعمال حج کی شروعات کے دوران مکہ کو کیوں ترک کردیا؟

اس سے قبل کہ ہم اس سوال کا تجزیہ کریں یہ بتادینا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ کہنا قطعاً درست نہیں ہے کہ امام حسینؑ نے حج کو نامکمل چھوڑ دیا کیونکہ امام نے ۸/ ذی الحجہ یوم الترویہ کے روز مکہ چھوڑ دیا ہے۳۱۔ جبکہ اعمال حج کی شروعات شب نہم ذی الحجہ سے ہوتی ہے جس کے لئے مکہ میں احرام باندھا جاتا ہے اور عرفات میں وقوف ہوتا ہے لہٰذا امام علیہ السلام نے قاعدتاً حج شروع ہی نہیں

کیا تو ادھورا چھوڑنے کا سوال کہاں سے پیدا ہوتا ہے:

ہاں یہ درست ہے کہ امام نے وارد مکہ ہونے کے بعد عمرہ مفردہ انجام دیا اور بہت ممکن ہے مکہ میں اپنے قیام کے دوران مختلف اوقات میں اعمال عمرہ بھی بجالائے ہوں لیکن اعمال عمرہ مفردہ کو اعمال حج نہیں قرار دیا جاسکتا۔اور بعض روایات میں امام کے ذریعے کیے گئے صرف ایک عمل عمرہ مفردہ کا ذکر ملتا ہے۔۳۱؎

البتہ یہ سوال انتہائی اہمیت کا حامل ہے، کہ باوجود اس کے کہ امام نے مکہ کا انتخاب اپنے اعتراضات کو دوسروں تک پہونچانے کے لئے کیا تو پھر ایسا کیا ہوا کہ امام نے اس وقت مکہ چھوڑ دیا جب مکہ، عرفات، منیٰ لوگوں کے جم غفیر سے چھلک رہا تھا اور اپنی بات کو لوگوں تک پہنچانے کا بہترین موقع تھا! امام کے اس فیصلہ کے پیچھے کارفرما علتوں کو مندرجہ ذیل اقتباسات میں تلاش کیا جاسکتا ہے:

۱۔جانی خطرہ کا امکان

امام حسینؑ کے بعض ان ارشادات اور جوابات سے معلوم ہوتا ہے جو آپ نے ان لوگوں کی گفتگو کے جواب میں بیان کئے جو حضرت کے مکہ چھوڑ دینے کے مخالف تھے، کہ امام حسینؑ مکہ میں مزید قیام کو اپنے جانی خطرے کے پیش نظر مناسب نہیں جانتے تھے جیسا کہ آپ نے ابن عباس کے جواب میں فرمایا: میں کچھ دور یا فاصلہ پر ماراجاؤں مجھے پسند ہے مگر مکہ میں قتل کیاجاؤں یہ مجھے بالکل گوارانہیں ہے۔۳۳؎

عبد اللہ بن زبیر کے جواب میں فرمایا: بخدا اگر مکہ کے ایک بالشت فاصلہ پر قتل کیاجاؤں مجھے پسند ہے مگر حدود مکہ میں خواہ وہ ایک بالشت ہی کیوں نہ ہو مجھے پسند نہیں ہوگا! بخدا اگر میں جانور کے گھونسلے میں بھی پناہ لے لوں یہ مجھے وہاں بھی ڈھونڈ نکالیں گے اور جو یہ چاہتے ہیں وہ کرگذریں گے۔۳۴؎

امام اپنے بھائی محمد حنفیہ سے صریحی طور پر حدود بیت اللہ میں یزیدی پلان کے سلسلہ میں گفتگو کرتے ہیں۔۳۵؎ بعض تاریخی متون میں واضح طور پر درج ہے کہ یزید نے امام حسینؑ کو قتل کرنے کے لئے مسلح افراد کو مکہ بھیج دیا تھا۔۳۶؎

۲۔حرمت حرم کی پامالی

امام حسینؑ کے گذشتہ ارشادات کے علاوہ آپ کے فرامین میں اس کی تاکید بھی نظر آتی ہے

جس میں آپ نے حرم بیت اللہ کے احترام کی پامالی کے خدشہ کا اظہار فرمایا ہے اور کہا ہے کہ اگرچہ اس صورت میں گناہ، اموی ظالموں کے سرجائے گا مگر اس سے حدود بیت اللہ کے احترام کی پامالی ہوگی۔

امام حسینؑ نے یہ گفتگو عبد اللہ بن زبیر سے ملاقات کرکے فرمائی ہے؛ آپ نے ابن زبیر کے جواب میں فرمایا: ''**ان ابی حدثنی ان لها کبشاً به تستحل حرمتها فما احب ان اکون انا ذلک الکبش**''۔۳۷ میرے بابا علی نے مجھ سے نقل کیا ہے کہ مکہ میں ایک بھیڑ ہوگی جس کے سبب اس شہر کی حرمت پامال ہوگی اور میں نہیں چاہتا کہ اس کا مصداق قرار پاؤں۔

کوفہ کا انتخاب

سوال ۵۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنے قیام کے لئے کوفہ کا انتخاب کیوں کیا؟

پوری تاریخ اسلام میں یہ سوال ہمیشہ سارے محققین اسلام کے لئے اپنی اپنی ظرفیت علمی کے مطابق اہمیت کا حامل رہا ہے اور ان کی اپنی فہم وادراک کے مطابق اس کے مندرجہ ذیل جوابات موصول ہوتے رہے ہیں:

۱۔ امام حسینؑ کو اپنی اس تحریک میں ظاہراً شکست کا سامنا کرنا پڑا جس کی بنیادی وجہ کوفہ کا انتخاب ہے۔

۲۔ اس زمانہ کی اہم شخصیتیں جیسے عبد اللہ بن جعفر (ہمسر حضرت زینب)۳۸ عبد اللہ بن عباس ۳۹ عبد اللہ بن مطیع ۴۰ مسور بن مخرمہ ۴۱ اور محمد بن حنفیہ ۴۲ کبھی اس حق میں نہیں تھیں کہ امام حسینؑ عراق اور کوفہ کا سفر اختیار کریں یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے کوفیوں کی غداریاں اور امام علیؑ کے ساتھ کیے گئے برتاؤ کو یاددلایا۔

لیکن امام نے ان تمام باتوں کے باوجود کہ جو بعد میں ظاہراً درست بھی ثابت ہوئیں اپنے مصمم ارادے کے پیش نظر کوفہ کا عزم کیا چنانچہ اس موقع پر بعض مورخین جیسے ابن خلدون نے بڑی صراحت کے ساتھ اس کو امام حسینؑ کی سیاسی غلطی سے تعبیر کیا ہے۔۴۳

چنانچہ اکابرین کی گفتگو سے لگتا ہے کوفہ کے علاوہ دیگر شہر بھی مقام انتخاب میں تھے جس میں یمن سرفہرست ہے، ابن عباس ، امام حسینؑ سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اگر آپ مکہ چھوڑ نے پر آمادہ ہیں تو یمن تشریف لے جائیں کیونکہ وہاں کی وادیاں کشادہ اور قلعے مضبوط ہیں

وہاں سے آپ اپنے مبلغین کو مختلف مقامات پر بھیج سکتے ہیں۔ ۴۴

سوال یہ ہے کہ کیوں امام حسین علیہ السلام نے مذکورہ بالا صورت کو انتخاب نہیں کیا؟

اس سوال سے متعلق اکثر غیر شیعہ شخصیتوں اور مستشرقین نے اپنے مفروضات کے پیش نظر بڑی آسانی کے ساتھ امام حسینؑ کے اس فیصلہ کو غلط ٹھہرا دیا۔

لیکن شیعہ علماء و محققین نے اپنے مبانی کلامی کے پیش نظر امام حسینؑ کے اس طرز عمل کی تحلیل کی ہے جس سے کچھ بنیادی نظریات ابھر کے سامنے آتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ نظریہ شہادت

یہ نظریہ مندرجہ ذیل امور پر مبنی ہے:

(الف) شیعوں کا کوئی امام جب منصب امامت پر فائز ہوتا ہے تو اسے شہادت کے وقت تک کے الٰہی وظائف کا علم ہوتا ہے اور وہ اس بات پر پابند ہوتا ہے کہ اسی کے مطابق عمل کرے۔ ۴۵

(ب) امام حسین علیہ السلام نے اپنے وظائف پر نظر ڈالتے ہی یہ مشاہدہ کرلیا تھا: ''**قاتل فاقتل و تقتل و اخرج باقوام للشهاده لاشهادة لهم الا معک**''۴۶ جنگ کرو، قتال کرو اور جان لو کہ تم بھی قتل کئے جاؤ گے، اپنے گروہ کے ہمراہ شہادت کے لئے اپنے دیار سے نکل جاؤ اور جان لو وہ صرف تمہارے ساتھ شہادت سے ہمکنار ہوں گے۔

چنانچہ ازل سے ہی مشیت الٰہی یہی تھی کہ امام حسینؑ شہید ہوں اور آپ کا عراق کی جانب سفر، اسی خواب کی تعبیر تھا جو آپ کو پیغمبرؐ کے ذریعہ ابلاغ کیا جاچکا تھا اور آپ نے اپنے بھائی محمد حنفیہ کے پوچھے جانے پر جواب دیا تھا: میں نے رسولؐ کو خواب میں دیکھا؛ آپ فرمارہے تھے: ''**یا حسین اخرج فان اللّٰہ قد شاء ان یراک قتیلا**''۔ ۴۷

مذکورہ نظریہ کے مطابق ۴۸ امام حسینؑ کا کوفہ کی طرف سفر، شہادت کی راہ میں اٹھایا گیا قدم تھا اور آپ کو اس کے انجام کی خبر تھی؛ یہ وہ خاص فریضہ تھا جو صرف امام حسینؑ سے مخصوص تھا اور دوسرے کسی امام کے لئے قابل تقلید نہیں تھا۔

البتہ، اس شہادت کے اہداف سے متعلق ارباب نظر کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض نے

اس کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو زندہ کرنے اور امام حسینؑ کے ذریعہ شجر اسلام کی آبیاری کرنے سے تعبیر کیا ہے؛ کیونکہ یہ خون اسلام کی سربلندی اور یزید کی رسوائی نیز بنی امیہ کے ۷۰ سال کے دور اقتدار کے خاتمہ پر جاکے تمام ہوا۔

بعض دوسرے غیر علمی نقطۂ نظر کے حامل افراد کے مطابق یہ شہادت امام حسینؑ کے چاہنے والوں کے گناہوں کا کفارہ تھی جیسا کہ عیسائی ، حضرت مسیحؑ کی وفات سے متعلق خیال رکھتے ہیں۔۴۹

نظریہ شہادت سے متعلق اہم اعتراض کچھ اس طرح ہیں:

۱۔ امام حسینؑ سے متعلق خصوصیت سے اس فریضہ کی ادائیگی کا قائل ہونا دیگر ائمہ کو اس اسوہ کی قابلیت سے خارج کردیتا ہے درحالیکہ ہر وقت کے امام کا اپنے پیروکاروں کے لئے منزل اتباع اور نمونہ عمل کی حیثیت رکھنا لازمی ہے۔

۲۔مذکورہ بالانظریہ امام حسینؑ کے اس قول کی رو سے منافات کا حامل ہے جس میں آپ نے فرمایا: ''**لکم فی اسوۃ**''۵۰ ہم تمہارے لئے اسوہ حسنہ ہیں۔

۳۔درست ہے کہ شہادت امام حسینؑ سے متعلق ماقبل پیغمبروں بالخصوص پیغمبر اکرمؐ کی پیشین گوئیوں کو قبول کیا جاسکتا ہے یہاں تک کہ امام حسینؑ کا خود بھی اپنی شہادت سے باخبر ہونا ثابت ہے لیکن کسی بھی منطق کے سہارے ، شہادت کو امام حسینؑ کی تحریک کا ہدف محض نہیں قرار دیا جاسکتا بلکہ آپ کے اقدام کے اغراض و مقاصد کو آپ ہی کی تحریر کے مطابق یعنی آپ کے بھائی محمد بن حنفیہ کو لکھے گئے وصیت نامہ میں تلاش کرنا چاہئے: ''**وانما خرجت لطلب الاصلاح فی امۃ جدی ارید ان امر بالمعروف وانھی عن المنکر واسیر بسیرۃ جدی وابی علی بن ابی طالب**''۔۵۱

مدنظر عبارت سے تین اہداف قیام امام حسینؑ سمجھ میں آتے ہیں: اصلاح امت پیغمبرؐ، احیائے امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور سیرت پیغمبروعلیؑ پر عمل اور اس کا احیاء ، اس میں کہیں شہادت کو تحریک کا مقصد نہیں قرار دیا گیا۔

۲۔حکومت اسلامی کی تشکیل کا نظریہ

بعض صاحبان قلم کی تحریروں کے مطابق ۵۲؎ یہ نظریہ اوائل میں سید مرتضیٰ معروف بہ علم الہدیٰ (۳۵۵۔۴۳۶ھ) چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے دوران شیعوں کے مابین رائج تھا۔ انہوں نے امام حسینؑ کے عازم کوفہ ہونے کے ذیل میں یوں تحریر فرمایا ہے: ہمارے آقا ومولا (ابا عبد اللہ الحسینؑ) اس وقت تک حکومت کے لئے کوفہ کی سمت نہیں نکلے جب تک انہیں اقوام کی جانب سے کامیابی کا یقین نہیں ہوگیا۔ ۵۳؎ واضح رہے کہ یہ نظریہ سید مرتضیٰ کے بعد زیادہ رواج نہ پاسکا بلکہ شیخ طوسی، سید ابن طاووس، علامہ مجلسی اور بیشتر علمائے مشاہیر نے اسکی شدید مخالفت کی۔ ۵۴؎

بعض ماہرین نے ایک بار پھر اس نظریہ کی بیخ کنی کی اور مناسب جوابدہی کی غرض سے تاریخ کا تجزیہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ مستشرقین کو مطمئن کیا جاسکے؛ غورطلب ہے کہ شہید مطہری اور ڈاکٹر علی شریعتی جیسے افراد نے بھی اس نظریہ کو قبول نہیں کیا۔ ۵۵؎ اس نظریہ کا بنیادی سقم، امام وقت کے علم غیب پر دسترسی کو نظر انداز کرنا ہے۔ البتہ اصل نظریہ تشکیل حکومت اسلامی جو کہ یزید کے خلاف امام کے قیام پر منحصر تھا اور یہ بغیر اس کے نظام کی رسوائی و زوال پذیری کے ممکن نہیں تھا اسے امام خمینیؒ جیسے پایہ کے عالم دین کی بھی تائید حاصل ہے؛ آپ نے بارہا اپنے بیانات میں ایک صالح دینی حکومت کے قیام کو عاشورہ کے مقدس اہداف میں شمار کیا ہے۔ جن میں سے بعض کا سردست ذکر کیا جارہا ہے:

الف) امام خمینیؒ نے پہلی بار ۲۷/مئی ۱۹۷۱ء کو نجف اشرف میں اپنی تقریر کے دوران فرمایا: امام حسینؑ نے اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجا تاکہ وہ ان سے بیعت لے سکیں اور حکومت اسلامی تشکیل پاسکے اور اس زمانہ میں موجود فاسد حکومت کا خاتمہ کیا جاسکے۔ ۵۶؎

ب) امام حسینؑ کا مکہ آنا اور مکہ سے باہر چلا جانا یہ ایک عظیم حکیمانہ عمل تھا۔ حضرت کے جملہ اقدامات، اسلامی حکمت وسیاست سے مملو تھے جو بعد میں بنی امیہ کے خاتمہ کا سبب بن گئے ورنہ اسلام نیست ونابود ہوگیا ہوتا۔ ۵۷؎

ج) امام حسینؑ حکومت ہی کے لئے نکلے تھے اسی لئے آپ نے قیام کیا تھا اور یہ بات قابل افتخار ہے، جولوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ حکومت کے لئے نہیں آئے تھے انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ حکومتیں امام حسینؑ جیسی شخصیتوں کے ہاتھ میں ہی ہونا چاہئے۔ ۵۸؎

اس مسئلہ کے ثبوت کے طور پر مندرجہ ذیل دلائل کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے:

۱۔سب سے اہم دلیل امام حسینؑ کی گفتگو ہے جو تین اہم اہداف پر مشتمل ہے اوراسے مدینہ چھوڑتے وقت آپ نے تحریر فرمایا ہے۵۹۔ ظاہر سی بات ہے کہ بڑے پیمانے پر حکومت کے بغیر اصلاح نہیں کی جاسکتی باوجودیکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بھی بغیر حکومت کے کما حقہ رائج نہیں کیاجاسکتا۔سب سے اہم بات احیائے سیرت رسول خداؐ وحضرت علیؑ ہے جو ان دونوں بزرگوں کے طرز حکومت کی طرف نشاندہی کرتا ہے اس طرح امام نے صالح حکومت اسلامی کی خواہش کا اعلان کیا ہے۔

۲۔کوفیوں کے خطوط کا طرز اور اس میں لشکر کی آمادگی اور ان کے درمیان امام کا نہ پایاجانا' اس بات کی غمازی کررہا ہے کہ وہ یزیدی حکومت کوغیر قانونی جانتے ہیں اور امام حسینؑ سے اس بات کے خواہشمند ہیں کہ وہ کوفہ تشریف لاکر امام کی حیثیت سے حکومت کریں چنانچہ امام نے بھی کوفیوں کی اس ضرورت کومحسوس کرتے ہوئے اپنی تحریک کا آغاز کیاہے۔ بطور مثال ایک خط کے کچھ اقتباس پیش ہیں جو کوفہ کے معروف محبان اہل بیتؑ سلمان بن صرد خزاعی، مسیب بن نجبہ اور حبیب ابن مظاہر کے ذریعہ لکھا گیا تھا:

''**انّه ليس علينا امام، فاقبل لعلّ اللّٰه ان يجمعنا بک علی الحق**'' ۶۰۔ ہمارا کوئی پیشوانہیں ہے،آپ یہاں تشریف لے آیئے تاکہ خداہمیں آپ کے ذریعہ حق پر جمع کردے۔

۳۔ امام حسینؑ کا جناب مسلم کوکوفہ بھیجنا ، اہل کوفہ کے خطوط کا پہلا جواب تھا اور اس بات کا عکاس تھا کہ امام عالی مقام مسئلہ امامت اورتشکیل حکومت سے متعلق جوابدہ ہیں، دلچسپ بات یہ ہے کہ امام نے مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجتے وقت اہل کوفہ کو خطاب کرتے ہوئے تحریر فرمایا: ''**وقد فهمت کل الذی اقتصصتم و ذکرتم ومقالة جلکم انّه ليس علينا امام فاقبل لعل اللّٰه ان يجمعنابک علی الهدی و الحق**'' ۶۱۔ جو کچھ بھی تم لوگوں نے کہا وہ میں سمجھتاہوں تمہاری سب سے اہم بات یہ ہے کہ تمہارے پاس امام وپیشوانہیں ہے۔۔۔)

مذکورہ خط کی رو سے امام نے اپنے کوفہ تشریف لے جانے کومسلم کی تائید پر موقوف کیا تھا جیسا کہ متن خط سے ظاہر ہوتا ہے۔۶۲۔

۴۔امام حسینؑ کے خطوط اور آپ کے بیانات بھی اسی نظریہ کی تائید کرتے نظر آتے ہیں ۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ امام حسینؑ نے ان خطوط میں بیشتر امامت کے حکومتی وقابل نفاذ پہلوؤں کو بیان کیا ہے ، شریعت کے احکام کم بیان کئے ہیں درحالیکہ وہ بعض افراد کی رو سے امام کا اصل فریضہ

ہے۔

امام حسینؑ کے خط کے مضمون کا بقیہ حصہ اس طرح ہے: "**فلعمری ما الامام الا العامل بالکتاب و الآخذ بالقسط و الدائن بالحق و الحابس نفسه علی ذات الله**"۔ ۶۳؎ قسم خدا کی صرف اسی کو امام کہلانے کا حق ہے جو کتاب خدا کا علم رکھتا ہو معاشرہ میں عدل وانصاف کو قائم کرسکتا ہو، حق پر عمل پیرا ہو اور تمام تر کوششوں کو اللہ کی راہ میں بروئے کار لاتا ہو۔

۵۔کوفہ میں جناب مسلم کی فعالیتوں کی نوعیت، جس میں لوگوں سے بیعت لینا شامل ہے جو خود اپنے آپ میں امام حسینؑ کی مدد ۶۴؎ اور بیعت کرنے والوں کے ناموں کو درج کرتا ہے۔ (جس کی تعداد ۱۲۰۰۰سے ۱۸۰۰۰ تک بیان کی گئی ہے)۶۵؎ علاوہ ازیں، اس بات کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ امام حسینؑ کوفہ میں صالح دینی حکومت کو قائم کرنے کے لئے کوشاں تھے۔

۶۔جن ایام میں کوفہ میں حضرت مسلم کے طرفدار بڑھتے چلے جارہے تھے اس زمانے میں بنی امیہ کے چاہنے والوں کی یزید کے ساتھ خط وکتابت سے بھی یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اگر یہ صورت حال کچھ دنوں ایسی ہی رہی تو کوفہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔ مندرجہ ذیل عبارت انتہائی صراحت کے ساتھ اس بات پر روشنی ڈالتی ہے:

"**فان کان لک بالکوفه حاجة فابعث الیها رجلاً قویا ینفذ امرک ویعمل مثل عملک فی عدوک**"۶۶؎ اگر تمہیں کوفہ کی ضرورت ہے تو ایک مضبوط آدمی کو اپنی نیابت میں یہاں بھیجو کہ جو تمہارے حکم پر عمل درآمد کرائے اور تمہارے دشمنوں سے تمہاری طرح برتاؤ کرے۔

۷۔ جناب مسلم نے امام حسینؑ کو جس طرح کوفہ کے حالات سے آگاہ کیا وہ امام کے مقصد کی تائید اور اہل کوفہ کے ہر طرح مدد کے لئے تیار رہنے کی توثیق کرتا ہے جو سبب بنا کہ امام حسینؑ نے کوفہ کا رخ کرلیا۔ ۶۷؎ امام عالی مقام نے درمیان راہ، اہل کوفہ کو ایک خط لکھا اور اسے قیس بن مسہّر صیداوی کے ذریعہ روانہ کیا جس میں آپ نے جناب مسلم کے خط کی تائید کرتے ہوئے ۸/ذی الحجہ کو کوفہ کی جانب روانہ ہونے کی بات کہی ہے اور وہاں کے عوام سے چاہا کہ وہ اپنی کوششوں میں مزید سنجیدہ ہوجائیں یہاں تک کہ میں کوفہ پہونچ جاؤں:

"**فان کتاب مسلم بن عقیل جائنی یخبرنی فیه بحسن رایکم و اجتماع ملأکم علی نصرنا و الطلب بحقنا فسالت الله ان یحسن لنا الصنع و ان یثیبکم علی ذالک اعظم الاجر و قد**

شخصت اليكم من مكة يوم الثلثا لثمان مضين من ذى الحجه يوم التروية فاذا اقدم عليكم رسولی فانکمشوا امرکم وجدّوا فانی قادم علیکم فی ایامی هذه"۶۸ ۔مجھے مسلم ابن عقیل کا خط ملا جس سے مجھے تم لوگوں کی حسن رائے کی خبر ملی پتہ چلا کہ تم ہماری مدد کرنا چاہتے ہو، دشمنوں سے ہمارا حق لینا چاہتے ہو، خدا سے دعا ہے کہ ہماری کوششوں کو نیکیوں میں شمار کرے اور تم لوگوں کو عظیم اجر عنایت کرے، میں اس خط کے ساتھ ساتھ شب ۸/ ذی الحجہ روز ترویہ کو مکہ سے تمہاری طرف روانہ ہو چکا ہوں ، جیسے ہی میرا نمائندہ تم تک پہونچے تم تیزی کے ساتھ اپنے آپ کو آمادہ کرلینا اور اپنے کاموں میں مزید سنجیدگی کا مظاہرہ کرنا کہ میں بہت جلد تمہارے پاس پہونچ رہا ہوں۔

چند اعتراض

مذکورہ بالا نظریہ (۲) پر کچھ اعتراض وارد ہوتے ہیں جن میں چند اہم اعتراض یہ ہیں:

۱۔ یہ نظریہ، شیعی نقطہ نظر کے (جو کلامی لحاظ سے امام کے عالم الغیب ہونے کے قائل ہیں) متضاد ہے۔

۲۔ یہ نظریہ امام پر خطا اور اشتباہ جیسے کلمات کو روا قرار دیتا ہے جو امام کی عصمت کے خلاف ہے۔شیعہ معاشرہ کے فکری انحراف کی بہت بڑی وجہ یہی نظریہ ہے۔

اس کے جواب کے لئے لازمی ہے کہ شیعی نقطہ نظر سے علم کلام ،عصمت وعلم غیب نیز اس کے اثبات اور تاریخی حقائق کے تئیں اس کے عدم تضاد پر گفتگو ہو مگر چونکہ سردست یہ ہمارا موضوع نہیں ہے اور یہ گفتگو ہمیں تاریخی تجزیہ سے خارج کردے گی لہٰذا ہم اس پر سیر حاصل گفتگو نہیں کرسکتے ہیں البتہ یہاں یہ بات ضرور واضح کرنا چاہیں گے کہ علم کلام کے اصولوں میں اس نظریہ کے قبول ہونے کا امکان ہے جیسا کہ خود امام خمینیؒ کی تحلیل سے ثابت ہوتا ہے کہ صالح حکومت کی تشکیل ایک ذمہ داری ہے اور اسے تدبیر، اتمام حجت، درایت اور اجتماعیت سے انجام پایا جانا چاہئے البتہ اس کا نتیجہ خدا کے ہاتھ میں ہے، اس کی رضا پر راضی رہنا چاہئے یہاں تک کہ اگر ہمیں اس کے نتیجہ کا علم ہو تو بھی ہمیں اپنے فریضہ پر عمل کرنا چاہئے کیونکہ جو حق کی بنیاد پر کھڑا ہوتا ہے اس کی شکست وقتی طور پر تو ممکن ہے مگر کامیابیوں کا سلسلہ پوری تاریخ پر محیط ہوتا ہے۔

مذکورہ اعتراض کے مطابق ، امام حسینؑ اپنے مقصد میں ظاہراً کامیاب نہیں رہے اور حکومت

اسلامی تشکیل نہیں پاسکی اور اہل کوفہ نے دھوکہ وفریب کاری سے کام لیا اور امام نے ان کے بارے میں صحیح اندازہ نہیں لگایا تھا جبکہ ابن عباس وغیرہ کا نظریہ درست ثابت ہوا۔ اس کے جواب میں تاریخ کا تجزیہ کرتے ہوئے واقع نگر رویہ کے ساتھ امام حسینؑ کی تحریک کی عقلانیت کو ثابت کیا جاسکتا ہے۔

امام حسین علیہ السلام کی تحریک پر ایک تحقیقی جائزہ

اگر ایک سیاسی شخص کسی بھی قسم کے حالات کے تئیں اپنی تحقیق کی مدد سے کسی نتیجہ پر پہنچتا ہے اور ایک فیصلہ کرتا ہے اور اس درمیان کوئی ایسا خارجی مانع درپیش آجائے جس کی توقع نہیں کی جاسکتی ہو اور وہ شخص اپنے پلان کے مطابق کامیاب نہ ہو پائے تو اس شخص کو خطا کار بہرحال نہیں کہا جاسکتا۔

امام حسین علیہ السلام نے بہر حال اس وقت کوفہ کے حالات کا بخوبی جائزہ لیا جبکہ آپ نے حاکم شام کے دورحیات میں اہل کوفہ کو کوئی مثبت جواب نہیں دیا تھا اور ان کی خواہش کو نظر انداز کردیا تھا۔۶۹ یہاں تک کہ اپنے بھائی محمد حنفیہ کو بھی ان کے خطوط کا کوئی مثبت جواب دینے سے منع کیا تھا۔۷۰ ان حالات میں بھی آپ نے محض ان کے خطوط کے آنے پر اکتفا نہ کی بلکہ اہل کوفہ کے دعووں کی چھان بین کے لئے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجا اور جب مسلم کو ایک مہینہ سے زیادہ ہوگیا اور آپ وہاں کے حالات سے بخوبی آشنا ہوگئے تاہم آپ کو احساس ہوا کہ امام کی آمد کے لئے حالات سازگار ہیں تو آپ نے امام کو خط لکھا اور پھر امام نے اس شہر کا قصد کیا البتہ امام حسینؑ کے اتنی جلدی آمادہ سفر ہوجانے کو مکہ میں درپیش جانی خطرہ پر حمل کیا جانا چاہئے۔

اس درمیان ایک غیر متوقع عامل پیش آیا کہ نعمان بن بشیر کو ہٹا کر عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا والی وحاکم مقرر کیا گیا، یہ ایک خلاف توقع عمل تھا بلکہ ظاہراً حالات اس کے برعکس لگ رہے تھے اور یہ کہا جارہا تھا کہ یزید،ابن زیاد سے بہت ناراض ہے ۷۱ اور اسے بصرہ سے معزول کردینا چاہتا تھا یہاں تک کہ بعض مآخذ میں یوں درج ہے:''**کان یزید ابغض النّاس فی عبید اللّٰہ بن زیاد**''۔۷۲

ان باتوں کے باوجود اگر مسلم اور انکے ساتھی بھی ابن زیاد کی طرح ڈرانے، لالچ دینے کے علاوہ بیعت کرنے والوں کی سیاسی، اقتصادی واجتماعی مدد کرتے تو بہت ممکن تھا کہ یہ زیادہ کامیاب

ہوتے۔اگر جناب مسلم نے اس غیر معمولی صورت حال میں شریک بن اعور اور عمارہ بن عبد السلول کی پیش کش پر عمل کیا ہوتاتو ابن زیاد، ہانی ابن عروہ کے گھر میں مارڈالا گیا ہوتا۔ جیسا کہ اس وقت انہیں پورے حالات پر کنٹرول تھا۔

چنانچہ یہ کہاجاسکتا ہے، حالات کوفہ سے متعلق امام حسینؑ کی شناخت، ابن عباس وغیرہ کے مقابل دقیق ترتھی اس لئے کہ پہلی بات یہ ہے کہ ابن عباس ، حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کے زمانے والے کوفہ سے متعلق اپنی شناخت کا اظہار فرمارہے تھے جب کہ امام حسینؑ اس وقت کے تازہ ترین حالات کوفہ پر نظر رکھے ہوئے تھے۔

دوسری بات یہ تھی کہ یہ شناخت ،اکابرین شیعہ سلیمان بن خزاعی اور حبیب ابن مظاہر جیسے افراد کے خطوط کے علاوہ امام کے براہ راست نمائندہ جناب مسلم کی تائید پر مشتمل تھی درحالیکہ ابن عباس وغیرہ کے پاس اپنی معلومات کی تصحیح یا تائید کے لئے کوئی آلہ کار موجودنہیں تھا۔

واضح رہے کہ اس وقت کوفہ کے حالات گذشتہ بیس برس والے حالات سے بالکل مختلف تھے۔ اس سے محسوس ہوتا تھا کہ آج یہ لوگ خاندان رسالت کا ساتھ دینے کے حق میں زیادہ پر جوش ہیں چنانچہ دھوکہ وفریب کا امکان تقریباً معدوم تھا اور اس کی چند وجوہات ہیں:

۱۔کوفہ نے شام کے مقابلہ مرکزیت کھو دی تھی اور مرکز شام میں منتقل ہو چکا تھااموی بادشاہوں کی سیاست یہ تھی کہ کوفہ کو عقب افتادہ ہی رکھا جائے تا کہ ہم اپنی عظمت کی جلوہ نمائی زیادہ کرسکیں۔

۲۔ اموی حکومت کی اہل کوفہ بالخصوص شیعان کو فہ پر چوطرفہ سخت گیریاں انہیں اموی سلطنت کے خلاف اور متحد اور مستحکم تر بنائے دے رہی تھیں۔

۳۔ چونکہ اہل کوفہ یزید کو پہلے سے پہچانتے تھے اس لئے اب وہ اسے امام حسینؑ کے مقابل ترجیح دینے پر آمادہ نہیں تھے اور جتنی جلدی ہوسکے اس کی حکومت سے پیچھا چھڑانا چاہتے تھے۔

یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ حکومت شام کی کمزوریاں ، یزید میں تجربہ کی کمی یا فقدان ، کوفہ میں نعمان بن بشیر جیسے کمزور آدمی کا حاکم ہونا ، امام حسینؑ کے کامیاب ہونے اور اسلامی حکومت کی تشکیل دینے کے امکانات کو مزید مضبوط بنارہا تھا۔ چنانچہ ہم اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ تاریخی تجزیوں سے یہ بات ثابت ہے کہ امام حسینؑ کا کوفہ جانے کا فیصلہ اس وقت کے اقتضائے حال کے مطابق بالکل درست تھا اور اگر غیر متوقع موانع درپیش نہ ہوتے تو ظاہری طور پر بھی امام ہی دنیاوالوں

کو کامیاب نظر آتے۔

حوالے:

۱۔الامامۃ والسیاسۃ ج ۱،ص ۱۸۰

۲۔ایضاً ، بحار الانوار ج ۴۴،ص ۲۱۳

۳۔موسوعۃ کلمات الامام الحسین ص ۲۳۹

۴۔الارشاد ، مفید ،ص ۳۵۵

۵۔نہج البلاغہ، خطبہ ۱۲۶

۶۔مقاتل الطالبین ،ص ۴۰

۷۔الارشاد ،ص ۳۵۷

۸۔موسوعۃ کلمات الامام الحسین،ص۲۰۹۔۲۱۰

۹۔الاخبار الطوال ،ص ۲۲۷، تجارب الامم، ج ۲، ۳۹

۱۰۔تاریخ ابن عساکر، ترجمہ الامام الحسین،ص ۵، ج ۵

۱۱۔بحار الانوار ج ۴۴،ص ۲۱۲

۱۲۔تاریخ یعقوبی ،ج ۲،ص ۲۲۸، الامامۃ والسیاسۃ، ج ۱،ص ۱۸۶

۱۳۔تاریخ یعقوبی ،ج ۲ ،ص ۲۲۸

۱۴۔تاریخ یعقوبی ،ج ۲ ،ص ۲۲۸

۱۵۔الامامۃ والسیاسۃ ،ج ۱۱،ص ۱۶۱۔۱۶۴

۱۶۔تاریخ یعقوبی ،ج ۲ ،ص ۱۸۱

۱۷۔مروج الذہب ، ج ۲،ص ۳۹۵

۱۸۔تاریخ یعقوبی ،ج ۲،ص ۱۶۲

۱۹۔الکامل فی التاریخ ،ج ۲،ص ۵۹۳

۲۰۔ایضاً ج ۳،ص ۵۶۳۔۵۷۹

۲۱۔تاریخ یعقوبی ،ج ۲،ص ۴۰۴ و ۴۰۵

۲۲۔بحار الانوار ،ج ۴۴،ص ۲۱۱

۲۳۔واقعہ الطف،ص ۷۵

۲۴۔ابن اعثم ، الفتوح، ج ۵،ص ۱۱۲؛ واقعۃ الطف ،ص۸۱

۲۵۔واقعۃ الطف،ص ۷۷

۲۶۔ایضاً ص ۸۵، ۸۶

۲۷۔قصص (۲۸)، آیت ۲۱

۲۹۔آل عمران (۳) آیہ ۹۷

۳۰۔ واقعۃ الطف ،ص ۱۰۳۔ ۱۰۶

۳۱۔ ایضاً ،ص ۸۸

۳۲۔ ایضاً ،ص ۱۴۷

۳۳۔عن الصادق :''ان الحسین بن علی خرج یوم الترویہ الی العراق و کان معتمراً''، وسائل الشیعہ ج ۱، ص ۲۴۶، کتاب حج، باب ۷، ابواب العمرہ ج ۲، ۳

۳۴۔ابن کثیر ،البدایۃ والنہایۃ ،ج ۸،ص ۱۵۹

۳۵۔ واقعۃ الطف ،ص ۱۵۲

۳۶۔ سید ابن طاووس،لہوف،ص ۸۲

۳۷۔ ایضاً

۳۸۔ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲،ص ۵۴۶

۳۹۔ابن اعثم کوفی، الفتوح ،ج ۵،ص ۶۷

۴۰۔ایضاً ص ۶۶

۴۱۔ البدایۃ والنہایۃ ،ج ۸،ص ۱۶۲

۴۲۔ ایضاً ص ۱۶۳

۴۳۔ بحار الانوار، ج ۴۴،ص ۳۶۴

۴۴۔مقدمہ ابن خلدون ،ص ۲۱۱

۴۵۔ابن اثیر، الکامل فی التاریخ ، ۲،ص ۵۴۵

۴۶۔ اصول کافی ج ۲،ص ۲۸۔ ۳۶

۴۷۔ایضاً ،ص ۲۸،۱

۴۸۔لہوف ،ص ۸۴

۴۹۔شہید فاتح در آئینہ اندیشہ، محمد صحتی سردرودی،ص ۲۰۵۔۲۳۱

۵۰۔شہید فاتح ،ص ۲۳۹

۵۱۔تاریخ طبری، ج ۵،ص ۴۰۳

۵۲۔ بحار الانوار، ج ۴۴،ص ۳۲۹؛ ابن اعثم ، الفتوح ، ج ۵،ص ۲۱

۵۳۔شہید فاتح،ص ۱۶۹

۵۴۔ایضاً ص ۱۷۰، بہ نقل از تنزیہ الانبیاء ،ص ۱۷۵

۵۵۔شہید فاتح،ص ۱۸۴۔۱۹۰و۲۰۵۔۲۳۱

۵۶۔صحیفہ نور،ج ۱ ،ص ۱۷۴

۵۷۔ ایضاً ج ۱۸،ص ۱۴۰

۵۸۔صحیفہ نور ج ۲۰،ص ۱۹۰

۵۹۔بحار الانوار ،ج ۴۴،ص ۳۲۹

۶۰۔ واقعۃ الطف، ابی مخنف ،ص ۹۲

۶۱۔ ایضاً ،ص۹۱

۶۲۔ واقعۃ الطف

۶۳۔ تاریخ یعقوبی، ج ۲۰،ص ۲۱۵ و ۲۱۶

۶۴۔مروج الذہب ، ج ۳،ص ۶۴؛ شیخ مفید، ارشاد ،ص ۳۸۳

۶۵۔ واقعۃ الطف ،ص ۱۰۱

۶۶۔ واقعۃ الطف ،ص ۱۱۲

۶۷۔الارشاد،ص ۴۱۸

۶۸۔ دنیوری ، الاخبار الطوال ،ص ۲۰۳

۶۹۔تاریخ طبری ، ج ۵،ص۳۵۶،۳۵۷؛ الکامل فی التاریخ، ج ۲،ص ۵۳۵

۷۰۔ ابن مسکویہ، تجارب الامم، ج ۲،ص ۴۲ ؛ البدایہ والنہایہ، ج ۸،ص ۱۵۲

۷۱۔سبط ابن جوزی ، تذکرۃ الخواص ، ۱۳۸

۷۲۔ الکامل فی التاریخ ، ج ۲ ،ص ۵۳۷

☆☆☆